## ABSTRACTS

### Letters of Dagh- autobiographic reflection and their Critical reading

Letters are the valuable source of research while compiling biography and sketching personality of a writer, as they are the true reflection of one's thinking pattern. Dagh was an outstanding poet of nineteenth century who wrote romantic and sensuous poetry and laid a great emphasis on Urdu idioms and their usage. He wrote many letters to nawabs, his disciples and friends. They are rich source of biographical information. Dagh also wrote some letters to the courtesans of that times without hiding his inner feelings as such they present his amateurish nature. This article is a research based study of his letters as a vital source of Dagh's biographical information and personality analysis.

ڈاکٹر سمیرا اعجاز

# مکاتیبِ داغ: سوانحی و شخصی آثار کی تنقیدی قرأت

داغ (انیسویں صدی) کے وہ شاعر ہیں جن پر بحیثیت انسان مثبت اور منفی تنقید کی گرد اُڑتی رہی ہے۔ خاص طور پر اُن کی سوانح کے حوالے سے جو بھی تحریریں منظرِ عام پر آئیں اُن میں سے بیش تر پر اُن کا منفی تاثر غالب رہا۔ داغ کے خطوط[۱]، اُن کی سوانح اور شخصیت کے مطالعے کا بہترین ماخذ ہیں۔ نجی اور خانگی خطوط بہ طور خاص اُن کے کردار، عمل اور اخلاق کے بارے میں جاننے کا اہم حوالہ بنتے ہیں مگر داغ نے شاگردوں، دوستوں اور امرا کے نام جو خط لکھے، ان میں بھی خود کو چھپانے کی کوشش نہیں کی یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہ خطوط، انسانی جذبات کے تمام تر تنوعات کی پیش کش کرتے ہیں اور ہم داغ کی زندگی کو اُن کے مکاتیب میں بے نقاب دیکھ سکتے ہیں۔ داغ کے مکاتیب کی سوانحی اہمیت کے حوالے سے رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''داغ کی زندگی کے بہت سے گفتنی اور ناگفتنی واقعات کی جیسی سچی یادداشتیں ان خطوط میں محفوظ ہوگئی ہیں وہ حوالے کہیں اور نہیں ملیں گے اور ان حوالوں کے بغیر داغ کی سوانح حیات مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ داغ کے سوانح نگار کے لیے ایسے خط بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔''[۲]

امیر مینائی کے نام ایک خط مرقومہ ۱۸۹۱ء میں، اُنھوں نے اپنی تاریخ پیدائش ۱۱/ذوالحج ۱۲۴۰ھ بمطابق ۱۸۳۱ء درج کی ہے اور کنور اعتماد علی خاں حسرت کے نام خط مرقومہ ۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ میں، روپے منگوانے کی غرض سے دہلی کی رہائش گاہ کا پتا بتایا ہے کہ وہ ''دلی چاندنی چوک کوچہ نیچہ بندان میں خلیفہ عبدالعزیز مہرکن کے پاس''[۳] رہتے ہیں۔ داغ دہلوی جب تک رام پور میں رہے بڑے

لطف وعیش سے زندگی بسر کی لیکن نواب کلب علی خاں فائق کی وفات کے بعد اُن کے معاشی حالات خراب ہو گئے۔ ۱۸۸۷ء میں وہ رام پور سے دہلی آ گئے مگر دل نہ لگا۔ داغ نے اپنے معاشی حالات کی خرابی کا ذکر بھی بہت سے خطوط میں کیا ہے کہ وہ مشکل سے گزران کرتے رہے اور قرض خواہی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ امیر مینائی کے نام خط مرقومہ ۱۸۹۱ء میں اُنھوں نے دہلی میں ملازمت کے حوالے سے مایوسی کا اظہار کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ وہ نہایت مقروض ہو گئے ہیں۔ معاشی حالات کی ابتری اور قرض خواہی کا ذکر خطوط میں بھی آیا ہے۔ کنور اعتماد علی خاں حسرت کے نام ۶ر جولائی ۱۸۸۹ء کے ایک خط میں وہ اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ اس خیال سے گھر سے باہر نہیں نکلتے کہ قرض خواہ تکلیف دیتے ہیں۔ انھی کے نام ایک اور خط مرقومہ ۱۸ر جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ میں وہ کنور صاحب سے سو روپیہ ماہوار اپنے لیے اور پچاس روپے ماہوار اپنی اُستانی کے لیے بہ طور قرض طلب کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ دلی کے چاندنی چوک میں شمبھو ناتھ نامی بزاز سے بھی دو ہزار روپیہ قرض لے رکھا ہے جو گاہے گاہے تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق اس سے لیتے رہے مگر اب وہ بھی قرض کی واپسی کا تقاضا بڑی شدت سے کر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ داغ نے شمبھو ناتھ کو پیسوں کی واپسی کے لیے کنور صاحب سے پیسوں کا مطالبہ کیا۔

شمبھو ناتھ کے نام ایک خط کے جواب میں، جس میں اُس نے داغ سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا، ۳ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ میں شمبھو ناتھ کے نام خط لکھ کر شرمندگی کا اظہار کیا ہے۔ اُن کے سابقہ لطف و کرم، دوست نوازی اور غم خواری کا دم بھرتے ہوئے قرض کی واپسی کے لیے مہلت طلب کی ہے کہ ان شاء اللہ جلد حالات بدل جائیں گے اور رقم کی واپسی ممکن ہوگی۔

کلکتہ کی مشہور طوائف ملکہ جان کے نام ۹ر اگست ۱۸۸۶ء کے ایک خط میں اپنی زندگی کے مختصر حالات درج کیے ہیں جن سے درج ذیل معلومات ملتی ہیں۔

۱۔ الحمد اللہ کہ مجھ کو خدا نے عالی خاندان کیا۔

۲۔ دلی میرا وطن ہے جب وہ برباد ہوئی تو احتیاج روزگار ہوئی، رام پور میں نوکر ہوں۔

۳۔ چالیس پچاس آدمی کا رزق خداوند کریم دیتا ہے، رئیس مرا قدر دان ہے۔

۴۔ منفعت دنیا پر اگر نظر کرتا تو بہت کچھ پیدا کر لیتا۔

۵۔ ہندوستان میں کون سی جگہ ہے جہاں سے اس عاجز کی طلب نہ ہوئی۔

۶۔ کار ریاست اس قدر سپرد ہیں کہ جس سے مرنے کی بھی فرصت نہیں۔

۷۔ حجاب سے جو دل لگی ہوئی تھی ایک داستان طول طویل ہے اکثر وہ حال تم کو مثنوی ''فریادِ داغ'' سے ظاہر ہوا ہوگا، سر موفرق نہیں۔

۸۔ وہ تلوار کی دھار پر مجھ سے ملی جس کی شہرت تو کیا رسوائی تمام ہندوستان میں ہوئی۔ پھر جدا بھی ایسی ہوئی کہ ملاقات کی اُمید نہ رہی۔

۹۔ میں ایک ریاست کا نوکر ریل کار کلکتے میں ہمیشہ کیوں کر رہ سکوں۔۔۔ ترکِ روزگار کیوں کر ہو سکے کہ یہ وسیلہ آبرو اور

حیلۂ معاش ہے۔ بائی جی کی یہ ضد بے ہودہ ہوئی کہ تمام عمر رام پور کی صورت نہ دیکھوں۔

۱۰۔ ملنے کو بلایا، لکھتے لکھتے انگلیاں گھس گھس گئیں، دفتر سیاہ ہو گئے مگر وہ نہ آئیں اور مولوی آل احمد صاحب کی پابند ہو گئیں۔

۱۱۔ اب تک کوئی آدمی مجھ کو مہرباں، مزاج داں نہ ملا کہ حجاب کا داغ، داغؔ کے دل سے مٹا دیتا۔[۴]

داغ کو مختلف خطابات سے نوازا گیا۔ ان خطابات کا ذکر بھی اُنھوں نے اپنے ایک خط بنام امیر مینائی، مرقومہ ۱۱رمحرم ۱۳۱۲ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''داغ ناچیز کا جو اعزاز بعنایت الٰہی یہاں ہوا کسی پردیسی کو کہاں نصیب، اکثر امرا اور رؤسا ملکی بھی ہنوز محروم ہیں۔ ادنٰی خطاب خاں بہادر اس کے بعد جنگ، افسر جنگ وغیرہ وغیرہ۔ ابھی جنگ سے آگے نہیں بڑھے اور بہت لوگ سو سو برس سے اس تمنا میں بلکہ مر گئے۔ مجھ کو خداوند عالم نے ایک ہی بار میں سب خطابوں سے سرفراز فرمایا۔''[۵]

داغ نے اپنے خطوط میں اپنی نگارشات کی اشاعت کے حوالے سے بھی معلومات دی ہیں۔ خط بنام مہاراج یوراج پرکشن بہادر بیدار میں تو انھوں نے اپنی کتاب ''آفتابِ داغ'' کی اشاعت کی اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کتاب مطبع انوار الاخبار لکھنؤ سے شائع ہوئی اور قیمت ایک روپیہ ہے۔[۶]

منی بائی حجاب کی چھوٹی بہن حمیدن بائی نقاب کے نام مکتوب، مرقومہ ۵رستمبر ۱۸۸۵ء میں اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ ''مثنوی نایاب ہو گئی ہے۔ ''گلزارِ داغ'' نہیں ملتا۔ 'آفتابِ داغ'' کا ایک نسخہ سرکار میں آیا، ابھی تک نصیب نہیں ہوا۔''[۷]

داغ، کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ وہ اصلاحِ سخن بھی فرماتے رہے۔ وہ نہ صرف اشعار میں بحور و اوزان کی اصلاح کرتے بلکہ الفاظ کی بحث بھی چھیڑتے اور دلیل کے لیے بڑے شعرا کے کلام سے مثالیں بھی پیش کرتے۔ ذوق اور بہادر شاہ ظفر کے اشعار اس حوالے سے سند کے طور پر ملتے ہیں۔ افتخار عالم کے نام خط میں اُن کے اشعار کی درستی کرتے ہوئے نشان دہی کرتے ہیں کہ لفظ ''پھنسنا'' نون کے بغیر لکھنا چاہیے اور بتاتے ہیں کہ انھوں نے خود بھی لفظ ''پھسنا'' لکھا ہے اور دلیل کے لیے رند کا شعر درج کیا ہے۔[۸] امیر مینائی کے نام خطوط میں بھی الفاظ کی بحث ملتی ہے۔ ۱۹۰۰ء میں لکھے ایک خط میں بتاتے ہیں کہ لفظ چٹی بہ معنی ڈنڈ یا دستک عین دلی کی زبان ہے۔ احسن مارہروی کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ ٹوپی پہننا صحیح ہے۔ ٹوپی اوڑھنا غلط ہے۔ اسی طرح تذکیر و تانیث کے مسائل کی نشان دہی بھی جا بجا ملتی ہے۔

داغ اصلاح کے ساتھ ساتھ شعراء کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ کنور اعتماد علی خاں حسرت کے نام خط، مرقومہ ۱۲راگست ۱۸۸۹ء میں، اُن کی غزلوں کے بے ساختہ پن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ: ''ان زمینوں میں ایسی بے ساختہ غزلوں نے تو میرا جی چھٹوا دیا۔''[۹]

حسرت بدایونی کے نام خط مرقومہ ۴راکتوبر ۱۸۸۵ء میں، اُن کے اشعار کی اصلاح بھی کی ہے جس میں لفظ کے ساتھ شاعرانہ خیال پر بھی بحث ملتی ہے۔ مثلاً اُن کے ایک شعر میں عاشق محبوب کے آزار سے لطف کشید کرنے کی بات کرتا ہے جس پر داغ

کہتے ہیں کہ ''اس لطف کو میں نہیں سمجھا''۔ اسی طرح ایک شعر پر اصلاح کا انداز ملاحظہ ہو:

''شرماتے ہو کیوں دیکھ کہ مستانہ ادائیں
یہ آنکھ ہے کچھ ساغرِ سرشار نہیں

اس شعر میں کس کی اداؤں کا ذکر ہے۔ عاشق کی ادائیں دیکھ کر معشوق فرماتا ہے اگر اپنی ادائیں دیکھ کر شرماتا ہے تو ''اپنی'' کا لفظ چاہیے یا ''آئینہ'' کا لفظ چاہیے۔ مگر یہ ہو چکا کہ عاشق کی مستانہ ادائیں دیکھ کر شرماتا ہے۔ یہ آنکھ اسی پر دال ہے۔''۱۰

داغ کے اپنے خطوط میں جہاں رند، ذوق اور بہادر شاہ ظفر کا ذکر استاد شعرا کے طور پر ملتا ہے۔ داغ کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ نظامی گنجوی، سعدی، حافظ شیرازی، امیر خسرو، درد، شاہ نصیر اور ذوق سے اتنی عقیدت تھی کہ محمد دین فوق کے نام ایک خط میں انھیں اپنی شاگردی میں لیتے ہوئے ابتدا کے طور پر، ان شخصیات کے نام کی نیاز دلانے کا کہتے ہیں، وہیں اپنے ہم عصر شعرا کی تعریف کے ساتھ ساتھ معاصرانہ چشمک بھی نظر آتی ہے۔ امیر مینائی کے نام ایک خط میں وہ ایک طرف تو انھیں ''استادِ مسلم الثبوت'' قرار دیتے ہیں تو دوسری جانب معاصرانہ چشمک واضح طور پر نظر آتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''i۔ اس زمانے میں اکثر گلدستے نکلتے ہیں۔ تمام ہندوستان کی شاعری معلوم ہوتی جاتی ہے۔ خوشی سے زیادہ افسوس ہوتا ہے۔۔۔

ii۔ یہ بھی خیال رہے کہ جو ذریات لکھنؤ کی یہاں جمع ہیں، مجھ پر چھری تیز کیے ہوئے ہیں۔ یہیں پر کیا منحصر ہے تمام ہندوستان مخالف ہے۔ سنتا ہوں کہ آزاد لکھنوی اور شحنۂ ہند میرٹھ یا مالک مجھ پر یا میرے شاگردوں پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ لوگ بغیر اطلاع جواب بھی دے رہے ہیں۔ اعتراض بھی لغو اور جواب بھی لوچ۔ یہ اُمور خلل انداز روزگار اور مانع اعتبار نہیں ہو سکتے۔ نہ ایسے حاسد فروغ پا سکتے ہیں۔ داغ کا سکہ جس دل پر بیٹھا، وہ مٹ نہیں سکتا۔۔۔ داغ کی مشق بڑھی ہوئی ہے۔ مہتاب کو چھپے دو برس کا زمانہ گزرا۔ اس دو برس میں بیس غزلیں کہی ہیں۔ کیا اس کا نام مشق ہے۔''۱۱

اسی طرح ایک اور خط میں اپنے معاصر شاعر ترک علی شاہ قلندر کی شاعری اور دہلی کے شاعر پیر ظہیر الدین جو ذوق کے شاگرد تھے، کا ذکر کیا ہے۔ عزیز یار جنگ کے نام ایک خط میں حافظ میر شمس الدین فیض کے مزار پر منعقد ہونے والے ایک مشاعرے کی روداد پیش کی ہے، جس میں معاصرانہ چشمک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

''شریف آدمی مفلسی میں بھی آبرو کا خیال رکھتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ان کا نمبر توڑ کر جلیل صاحب کو پڑھوایا گیا اور ان کے آگے سے شمع اٹھالی۔ یہ سب چالاکیاں ترکی صاحب کی تھیں۔ میری غزل جو پڑھی گئی تو ترکی صاحب نے کہا کہ ایک شعر اچھا کہا ہے اور جلیل صاحب کی غزل کی تعریف میں جو وہ کہتے رہے، سننے والوں کو ہنسی آتی تھی۔ داغ مضمون کہنا نہیں جانتا، جلیل مضمون کہنا جانتے ہیں۔ امیر کو تو یہ مجال نہیں ہوئی، جلیل کیا داغ کو مٹا سکتے ہیں۔ میری اصلاحی غزل کو خدا کی شان کہ ترکی صاحب سمجھیں اور نیک و بد بتائیں۔۔۔ ان کو اصلاحی غزل نہ

دکھلا یا کیجیے اور میرے پاس کبھی ان کو نہ بھیجئے۔ میں منافق سے ملنا نہیں چاہتا۔'' ۱۲

اس روداد سے جہاں معاصرانہ چشمک واضح ہوتی ہے وہیں عہدِ داغ میں مشاعروں کی صورتِ حال کا بھی بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔

امیر مینائی کے نام ایک خط مرقومہ ۱۸۹۱ء میں خاقانی پیر شیخ ابراہیم ذوق کے دیوان کے حوالے سے محمد حسین آزاد کا ذکر کیا ہے جس میں ایک طرف تو آزاد پر تنقید کی ہے کہ انھوں نے ذوق کے لیے دیوان میں موجودہ قصائد میں بہت تصرف کیا ہے اور دوسری جانب اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ میری کیا مجال کہ دخل دوں اور اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔

خطوط محض دو افراد کے درمیان گفتگو اور حال احوال کا بیان نہیں ہوتا بلکہ یہ ایسی تحریر ہوتی ہے جس میں مکتوب نگار غیر شعوری طور پر اپنی شخصیت کا اظہار کرتا جاتا ہے۔ داغؔ نے بڑی تعداد میں خطوط لکھے، یہ خطوط سوانحی معلومات دینے کے ساتھ ساتھ شخصی آثار کی پیش کش کا وسیلہ بھی ہیں کیوں کہ بہ قول داغ ''وہ قلم برداشتہ خط لکھتے ہیں'' ۱۴، جن میں اُن کے مزاج، مذہب اور عقیدے سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ داغ کے بے تکلف، دوٹوک اور قلم برداشتہ خط لکھنے کے حوالے سے ڈاکٹر داؤد رہبر لکھتے ہیں:

> ''داغ کے خطوں میں نثر کی لے بھی درشت ہی ہے۔ صاف لگتا ہے کہ عبارت قلم برداشتہ لکھی گئی ہے اور جو کچھ کہنا تھا جلدی جلدی کہہ ڈالا گیا ہے۔ دوستوں، شاگردوں اور طوائفوں کو جو خطوط انھوں نے لکھے، ان میں تو اس طرح کی تحریر مراسم کے عین مناسب ہے ہی مگر نواب پور کے دونوابوں اور حیدر آباد کے عالی منصب اشخاص کے نام ان کے جو خط ہیں وہ بھی تصنع سے بری ہیں۔'' ۱۳

داغ کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ وہ مذہب سے گہرا لگاؤ اور دل چسپی رکھتے تھے۔ وہ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ محمد حیدر خاں دل کے نام خط میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ روزے رکھ رہا ہوں۔ اسی بات کا ذکر اُنھوں نے مشرف یار خان کے صاحبزادے اور اپنے شاگرد شرف کے نام ایک خط میں بھی کیا ہے۔ امیر مینائی کے نام ایک خط، مرقومہ ۱۶/ذیقعد ۱۳۱۸ھ میں اپنے مذہبی لگاؤ کا اعتراف کرتے ہوئے امیر مینائی کے مذہبی معاملات پر اس طرح حقیقت پسندانہ روشنی ڈالتے ہیں:

> ''میرے روزوں کا حال شب بیدار، تہجد گزار، خداشناس جانتے ہیں، آپ نے تو نہ کبھی پڑھی نہ قضا کی۔'' ۱۵

نواب کلب علی خاں، والئی رام پور کے نام خطوط سے بھی اُن کی مذہب سے قربت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک خط مرقومہ، ۳۰/مئی ۱۸۸۱ء میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اپنی خالہ عمدہ بیگم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ان کے آنے سے ''انھیں بہت تقویت معلوم ہوئی ورنہ نوبت یٰسین پہنچ گئی تھی''۔ اسی خط میں اُنھوں نے حضرت باقی باللہ علیہ کے مزار پر حاضری اور مزار کی صورتِ حال کے بارے میں بھی آگاہ کیا ہے۔ مزار پر حاضر ہو کر داغ نے نواب کلب علی خاں کے لیے دعائے صحت کی۔ مزار کے احاطے میں موجود کنویں کی صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ غدر کے زمانے سے اس میں لاشیں پڑی ہیں جس کی وجہ سے پانی کی کمی ہے۔ احاطہ مزار شریف کی دیوار شکستہ ہونے کے سبب جانور درگاہ کے اندر پھرتے ہیں۔ اسی طرح قدم رسول کی چھت خراب ہے لکڑی بالکل گل گئی ہے۔ مزار

اور احاط میں موجود کنویں کی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اصلاح کا تخمینہ بھی لگایا ہے۔اس خط میں، داغ کا بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ انھیں حضرت باقی باللہ کے مزار سے بے حد عقیدت تھی۔ جہاں اُنھوں نے نذر و نیاز کی اور نواب کلب علی خان کے لیے دعائے صحت بھی کی۔

اپنے ایک شاگرد ابوالحسن پسر نوح ناروی کے نام خط، مرقومہ ۱۳؍ستمبر ۱۹۰۴ء میں اجمیر شریف کی زیارت کا ارادہ بھی اُن کی عقیدت کا اظہار ہے۔نواب کلب علی خاں کے نام ایک خط، مرقومہ ۳۱؍مئی ۱۸۸۱ء میں، حضرت باقی باللہ کے مزار کی دیوار، احاطہ و مسجد و حجرہ مزار شریف کی مرمت کا تخمینہ بتاتے ہیں اور اس بات کی بھی نشان دہی کرتے ہیں کہ مذہبی حوالے سے دو فرقے آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ان فرقوں کی صورتِ حال ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

> ''ایک فرقہ مقلد اور دوسرا غیر مقلد ہے۔ اہل تقلید نے حضور کو اپنا معاون تصور کیا ہے اور فدوی بھی شریک ہو گیا ہے۔ غیر مقلد کو مدد بھوپال سے کما حقہ مل رہی ہے۔ آج مقدمہ پیش ہے۔ شام کو حال مفصل معلوم ہو گا۔ اتنا تو ضرور ہے کہ غیر مقلدوں کو حکم ہوا ہے کہ تم اپنی مسجد اور بنواؤ کہ تمہارا مذہب نیا ہے۔ اس میں چکرار ہے ہیں۔''[۱۶]

۱۸؍ستمبر ۱۸۸۵ء میں اجمیر کے ایک شاعر حبیب اللہ کے نام ایک خط میں اپنی بہتریٔ صحت، رفع عسرت، ادائے قرض، ترقی اقبال اور رفع معاندین کے لیے نہا کر عطر لگا کر، آستانۂ غریب نواز پر حاضری دینے اور دعا مانگنے کی تاکید کرتے ہیں۔

داغ کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ ان کے مزاج میں عاجزی، انکساری، قناعت، احسان مندی اور خدمتِ خلق نمایاں تھے۔تخلیق کاروں کے مزاج میں عام طور پر ایسی بے چینی ہوتی ہے جس کے سبب اُن کے اندر ناقدریٔ زمانہ کی شکایت پیدا ہوتی ہے اس کے برعکس داغ کے مزاج میں اطمینان اور ٹھہراؤ نظر آتا ہے۔امیر مینائی کے نام خط، مرقومہ ۱۶؍ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ میں اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اگرچہ فنِ شاعری مر چکا ہے اور جتنی قدر کی جارہی ہے وہ غنیمت ہے۔امیر مینائی ہی کے نام ایک خط جو ۱۱؍محرم ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء کو لکھا گیا، میں یہ قناعت اور انکساری اتنی نمایاں ہو جاتی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ انھیں اب تک ملا ہے، ان کی لیاقت سے بھی زیادہ ہے۔یہی عاجزی اور انکساری انھیں احسان مندی کے جذبے سے بھی سرشار کرتی ہے۔کنور اعتماد علی خاں حسرت، داغ کے دورِ اوّل کے بہت مخلص اور ہمدرد شاگردوں میں سے تھے۔داغ شاگرد سے زیادہ انھیں اپنا دوست تصور کرتے تھے۔ان کے دیوان کا نام ''چمنستانِ داغ'' بھی داغ نے دیا۔داغ سمجھتے تھے کہ اُنھوں نے اس زمانے میں اُن کی مدد کی جب حالات موافق نہ تھے۔اُن کے ایک خط سے اقتباس ملاحظہ ہو، جس سے اُن کے جذبۂ احسان مندی کا اندازہ پوری طرح لگایا جا سکتا ہے:

> ''میرے دوستوں میں آپ کا خاص مرتبہ ہے۔ آپ نے وقتاً فوقتاً جو میرا خیال رکھا اور مجھے فکروں سے نجات دی اس کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ آپ کے اس احسان کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ خدا کسی سے سابقہ نہ ڈالے۔ ضرورت اور مدد کے وقت یگانے بیگانے ہو جاتے ہیں۔ جانے پہچانے انجان بن جاتے ہیں۔ آپ نے اس وقت میری دست گیری فرمائی جب کہ میرے دن مجھے موافق نہ تھے۔''[۱۷]

خدمتِ خلق کا جذبہ بھی داغ کے مزاج کا حصہ تھا۔ضلع گورداس پور کی ریاست کشن کوٹ کے رئیس ہرکش بہادر بیدار کے نام ایک خط، مرقومہ ۹؍فروری ۱۸۸۶ء میں اپنے ایک دوست حکیم خورشید حسن کی سفارش کی اور انھیں لکھا کہ وہ بہت اچھے طبیب ہیں اور

معاش کی تلاش میں ہیں۔لہٰذا اُن کو کچھ سہارا دے دیں۔ داغ کے مزاج کی یہی نرمی تھی کہ وہ مہمانوں کی میزبانی میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے تھے۔نوح ناروی، داغ کے شاگردوں میں سے تھے اور ضلع الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔کچھ عرصہ حیدرآباد، داغ کے پاس رہے۔داغ نے ان کی خوب میزبانی کی اور اُن کی کم خوری پر اپنی تشویش کا اظہار اُن کے بیٹے ابوالحسن ناروی کے نام ایک خط مرقومہ ۱۳/ستمبر ۱۹۰۴ء میں ان الفاظ میں کیا:

''ایک بات سے سخت حیرت ہے کہ وہ اپنی اشتہا وہاں فروخت کر آئے ہیں یا گروی کر آئے ہیں یا خیرات۔ میں نے جو امتحان کیا تو مینا سے بھی وہ کم کھاتے ہیں۔نہیں معلوم کہ میرے گھر کا کھانا انھیں پسند نہیں آتا یا بھوک ہی گھٹ گئی ہے یا نارہ والے سب اتنا ہی کھاتے ہیں۔اگر یہ کہتا ہوں کہ کچھ فرمائش کرو تو وہ نہیں سنتے۔تم صاف صاف لکھو وہاں ان کو کون سا کھانا پسند تھا۔کون سی چیز مرغوب تھی۔ یہاں بھی وہی پکوایا جائے۔نمکین کون سا کھانا پسند ہے اور شیریں کون سا۔''۱۸

لطف یہ ہے کہ اسی خط میں اختتام پر وہ نارہ آنے کے ارادے سے تو مطلع کرتے ہیں مگر اُن سے ملاقات کے فوراً بعد واپسی کا ارادہ بھی ظاہر کرتے ہیں اس لیے کہ انھیں خیال یہ رہتا ہے کہ اُن کے ساتھ سات آٹھ آدمی ہوں گے اور خاطر تواضع میں اُن پر مالی بوجھ پڑے گا۔

داغ کے خطوط کی زبان انتہائی سادہ، سلیس، رواں، فصیح اور شگفتہ ہے۔ بے تکلف دوستوں کے ساتھ شگفتہ انداز میں بات کرتے ہیں۔امیر مینائی کے نام خطوط میں یہ بے تکلفی بہت نمایاں ہے۔محمد الدین فوق لکھتے ہیں کہ: لاہور کے مشہور جرنلسٹ اور داغ کے شاگرد تھے۔''پنجۂ فولاد'' کے نام سے ایک اخبار نکالتے تھے۔اخبار کے نام کی بابت، بے تکلفی اور خوش طبعی کی ملی جلی فضا فوق کے نام ایک خط، مرقومہ ۳۱/مئی ۱۹۰۲ء میں نظر آتی ہے:

''نہیں معلوم کس مناسبت سے اخبار کا نام آپ نے ''پنجۂ فولاد'' رکھا ہے۔گزشتہ محرم میں مجھے سلام کرنے ایک طوائف آئی تھی۔نام پوچھا تو بولی۔مجھے ''فولادجان'' کہتے ہیں۔میں نے پوچھا تم میں کیا کیا جوہر ہیں۔اس نے مرثیہ کے بند سنائے۔میں نے اسے رخصت کر دیا لیکن آج معلوم ہوا کہ ''پنجۂ فولاد'' فولادجان کا نر ہے۔''۱۹

داغ کے وہ خطوط جو اُنھوں نے نوابوں، امراء یا تلامذہ کو لکھے، وہ کسی قدر پر تکلف اور سادہ ہیں مگر نجی اور خانگی نوعیت کے خطوط میں اُن کے اخلاق، کردار، مذہب، مروت اور خودداری کے نمونے واضح ہیں۔ یہ خطوط اُن کی شرافت، انسان دوستی اور اخلاص کے آئینہ دار ہیں۔ان کے علاوہ وہ خطوط جو داغ نے خواتین کے نام لکھے، وہ ان کی شخصیت کا بالکل منفرد تعارف ہیں۔ان خطوط میں داغ کا اسلوب شاعرانہ اور بے باک ہے۔ان خواتین میں بنی جان، ملکہ جان، حمیدن بائی اور منی بائی حجاب شامل ہیں۔ یہ خطوط نہیں، ان کے دل کے ٹکڑے ہیں۔داغ بنیادی طور پر عاشقانہ مزاج اور حسن پرست واقع ہوئے تھے۔ملکہ جان کے نام خط، مرقومہ ۱۳/مارچ ۱۸۸۶ء میں لکھتے ہیں کہ:

''کہوں جی! خدا نے مجھے کیوں عاشق مزاج بنایا، اس بلا میں کیوں پھنسایا، پتھر کا دل، لوہے کا کلیجہ کیوں نہ

بنایا، جس میں کوئی اچھی ادا دیکھی، طبیعت لوٹ گئی۔خصوصاً کوئی معشوق خواندہ ہو اور شعر گو بھی ہو۔ مرزا داغ کی موت ہے۔''[۲۰]

چنانچہ خوب صورتی اور شعر گوئی، داغ کی کمزوری تھی۔ بنی جان، الہ آباد کی طوائف تھی۔ جس سے داغ کی کبھی ملاقات تو نہ ہوئی مگر نوح صاحب ناروی جب حیدر آباد تشریف لائے تو اس کی تصویر داغ کے لیے لائے۔ نوح ناروی جب بھی اپنے استاد کی قدم بوسی کے لیے حیدر آباد تشریف لے جاتے تو استاد کے لیے تحفے میں ایک طوائف کی تصویر لے جاتے تھے۔[۲۱] تصویر دیکھ کر اور سیرت کی خوبیاں سن کر داغ، خط لکھنے میں پہل کرنے سے نہ رہ پاتے۔ مذکورہ بالا خط، مرقومہ ۲۳؍جنوری ۱۹۰۲ء سے ان کی ملاقات کے لیے بے تابی کا نقشہ ملاحظہ ہو:

''کیوں جی تم سے کیوں کر ملیں۔ تم کو کیوں کر دیکھیں۔ کیوں کر سنیں اور نہ دیکھیں تو کیوں کر جئیں۔''[۲۲]

اس خط میں بھی وہ اپنے عاشق مزاج اور حسن پرست ہونے کا اعتراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''جو شخص ازلی عاشق مزاج ہو، خیال کرو اس کا کیا حال ہوگا'' بنی جان کی تصویر کی شان میں اُنھوں نے جو رُباعی لکھی وہ ملاحظہ ہو:

کیا بات ہے کیا گھات ہے اللہ رے شریر　　سوجھی ہے نئی طرح کی تجھ کو تدبیر
کب دیکھنے والوں پہ کھلا دل کا حال　　کھنچوائی ہے کیا سینہ چھپا کر تصویر[۲۳]

سید قطب الدین اشک جلیسری کے نام ایک خط مرقومہ ۱۲؍ستمبر ۱۸۹۹ء میں بھی وہ جلیسر کی کسی کافرادا طوائف کے کوائف سن کر اس سے ملنے اور تصویر دیکھنے کے لیے بے تابی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہاں بھی اُن کی تحریر میں رنگینی اور بے باکی نمایاں ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''اگر آپ سے ہو سکے تو اس فسوں گر کا فوٹو اُتروایئے اور مجھے بھیجیے وہ کس رئیس سے متعلق ہے یہ آپ نے نہ لکھا۔ میں اس کافرادا کے تفصیلی حالات کا جویا ہوں۔ آپ ضرور لکھیں۔ آپ نے جو سراپا کھینچا ہے دل میں اس نے عجب شوق پیدا کر دیا ہے۔ حسن و جمال اور موسیقی میں بے مثال بہت کم ملتے ہیں۔ ایسی صورتیں شہروں میں تو ممکن ہیں آپ نے تو ایک گاؤں سا کن لکھا ہے۔ آخر وہاں رہ کر یہ خوبیاں کیوں کر پیدا ہوئیں۔ مفصل لکھیں تو پتہ چلے۔''[۲۴]

ملکہ جان کے نام دو خطوط ملتے ہیں۔ ایک خط ۱۲؍مارچ ۱۸۸۶ء جب کہ دوسرا ۱۹؍اگست ۱۸۸۶ء میں لکھا گیا۔ ''ملکہ جان، کلکتہ کی مشہور طوائف تھی اور صاحبِ دیوان تھی۔ یہ دیوان ''مخزن الفت ملکہ'' کے نام سے چھپا۔ انگریزوں سے تعلقات کی بنیاد پر ''میم صاحب'' کے نام سے بھی مشہور تھی۔ داغ سے اُن کے مراسم میر قطب الدین اشک کے ذریعے ہوئے اور ان دو خطوط کے وسیلے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان خط و کتابت رہتی تھی۔ داغ نے ان خطوط میں منی بائی حجاب سے اپنی قلبی وابستگی اور بے تابی سے آگاہ کیا ہے۔ اہم بات یہ کہ اس بات کی نشان دہی بھی ہوتی ہے کہ جب منی بائی حجاب کو داغ اور ملکہ جان کے مابین خط کتابت کا علم ہوا تو انھوں نے داغ کے نام ایک طویل عتاب نامہ بھیجا۔ ان خطوط کی خاص بات وہ القاب و آداب ہیں جن سے داغ نے ملکہ جان کو مخاطب کیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ ملکہ اقلیم سخن وری، بنارس کی صنم،کلکتہ کی پری! دام جما لہا و کمالہا

۲۔ دل رُبا، سخن آرا، حور لقا، پری ادا، دام جمالہا و کمالہا

حمیدن بائی کے نام تین خطوط ملتے ہیں ۔ایک خط ۵رستمبر ۱۸۸۵ء کولکھا گیا جب کہ باقی دوخطوط پر تاریخ درج نہیں۔ ''حمیدن بائی، منی بائی حجاب کی چھوٹی بہن تھیں۔شاعرہ تھیں اورنقاب تخلص کرتی تھیں'' ۲۵ ان خطوط میں داغ نے منی بائی حجاب کے ساتھ تعلق خاطر کے حوالے سے گلے شکوے کیے ہیں۔

داغ کے مکاتیب کااہم حوالہ وہ خطوط ہیں جوانھوں نے منی بائی حجاب کے نام لکھے ہیں۔منی بائی حجاب کلکتے کی ایک طوائف تھیں جوشاعری بھی کرتی تھی اور تخلص حجاب تھا۔رام پور میں منعقد ہونے والے ''میلۂ بے نظیر'' میں داغ کی پہلی ملاقات منی بائی حجاب سے ہوئی۔داغ، حجاب پر فریفتہ ہوگئے اور دونوں کے درمیان تعلق بڑھنے لگا مگر منی بائی حجاب کے کچھ اور قدر دان بھی پیدا ہو گئے جس کے سبب داغ رقابت کے جذبات سے دوچار ہوئے ۔۱۸۶۵ء سے ۱۸۸۲ء کے درمیان یہ تعلق خاطر قائم رہا۔داغ کی مثنوی ''فریادِ داغ'' اسی عشق کی داستان ہے۔۱۸۸۲ء میں جب داغ نے چندروز کلکتے قیام کیا تو یہ محبت سرد پڑ گئی اور محض خط و کتابت تک محدود رہ گئی۔۱۹۰۱ء میں اس محبت نے دوبارہ جوش کھایا اور ۱۹۰۲ء میں منی بائی حیدرآباد تشریف لائیں اور دو تین برس رہیں۔مگر اب ان کے تعلق میں وہ گرم جوشی نہ رہی اور ۱۹۰۴ء میں منی بائی واپس کلکتہ چلی گئیں۔اس سب کے باوجود داغ کے دل ودماغ پر منی بائی حجاب کا عکس کبھی دھندلا نہ ہو پایا۔۲۶ منی بائی حجاب کے نام ان خطوط میں سے بیشتر پر تاریخ درج نہیں البتہ چند خطوط پر تاریخ لکھی ہے۔یہ خطوط داغ کی منی بائی حجاب کے لیے محبت، بے تابی، تنہائی، رقابت اور شکایتوں سے بھرپور ہیں۔باقی خواتین کے نام لکھے گئے۔خطوط میں داغ کی حسن پرستی غالب ہے جب کہ ان خطوط میں داغ کے مزاج کا جذباتی پہلو نمایاں ہے جو بیک وقت محبت، رقابت اور شکایتوں سے پُر ہے۔جابجا اپنی جذباتی کیفیات کی عکاسی کے لیے اشعار کا استعمال ملتا ہے۔ان خطوط میں مکتوب الیہ کو جذباتی کیفیت کے مطابق انتہائی سادگی سے مخاطب کیا گیا ہے۔ان خطوط میں القاب وآداب کا استعمال یہ ہے:

(i) دشمن جانی! سلام شوق!

(ii) ستم گر وستم پیشہ!

(iii) بائی جی! سلام شوق!

(iv) بے مہر و بے وفا!

(v) دل دار ودل نواز!

(vi) جنابِ من!

(vii) نیک بخت، پاک دامن، بے لوث منی بائی صاحبہ حجاب!

(viii) میزبان داغ مہماں سلامت رہو

(ix) منی جان، تمھیں اللہ کی امان!

(x) مہربان داغ قدردان داغ، سلامت رہو

مذکورہ ان خطوط سے پتا چلتا ہے کہ داغ کو منی بائی حجاب کے خط کا بے تابی سے انتظار رہتا تھا اور جب ان کا نامہ موصول ہوتا تو کئی بار پڑھتے، آنکھوں سے لگاتے، چومتے اور چھاتی پر دھرتے۔ منی بائی حجاب سے دوری پر تڑپ تڑپ جاتے۔ ۵رستمبر ۱۸۸۰ء کے خط سے اقتباس ملاحظہ ہو، جو ان کی قلبی کیفیت کا واضح عکس ہے:

''غضب تو یہ ہے کہ دور بیٹھی ہو، پاس ہوتیں تو سیر ہوتی۔ کبھی تمھارے گرد گھومتا اور شعلۂ جوالا بن جاتا، کبھی تمھیں شمع قرار دیتا اور پتنگا بن کر قربان ہو جاتا۔ کبھی بلائیں لیتا اور کبھی صدقے قربان ہو جاتا۔۔۔۔ میں تمھارے لیے بلبلا رہا ہوں۔ یہ خوفناک کالی کالی راتیں اور تنہائی کیا کہوں۔ کیوں کر تڑپ تڑپ کر صبح کی صورت دیکھتا ہوں۔ یقین جانو ایسا تڑپتا ہوں جیسے بلبل قفس میں۔''۲۷

داغ، منی بائی حجاب کے عشق میں شدت سے مبتلا تھے یہی وجہ ہے کہ جب وہ منی بائی حجاب کے قدردانوں کے بارے میں جانتے تھے تو ''ان کے جسم میں خون ہانڈی کی طرح پکنے لگتا''۔ رقابت کے جذبات کے تحت لکھے جانے والے خطوط میں طنز و تعریض کے ساتھ ساتھ محبت کا جذبہ بھی غالب ہے۔ درج ذیل خط سے اقتباس دیکھیے جو محبت اور طنز کے ملے جلے جذبات سے عبارت ہے:

''ستم گر و ستم پیشہ! تم دو روز سے نواب صاحب (نواب حیدر علی خاں) کے یہاں تھیں۔ یہاں دل پر عجیب عالم گزر گیا۔ میں نہیں مانوں گا کہ تم مجبور ہو گئیں۔ اس ریاست میں ایسی بھی خدا کی بندیاں موجود ہیں کہ رئیس کے ہزار دباؤ پر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتیں جن سے وفاداری کا عہد کر چکی ہیں، اپنے قول پر قائم ہیں۔ ایک طرف دولت ہے، ریاست ہے اور ہر طرح کی شان و شوکت لیکن محبت کا نام وہاں عنقا رکھا گیا ہے۔ تمھارا دل دادہ ان کے مقابلے میں کوئی خوبی نہیں رکھتا مگر تمھاری الفت میں جان سے ضرور گزر سکتا ہے۔ کیا میرے رقیب بھی ایسا کر سکتے ہیں؟''۲۸

رقابت کے یہی جذبات، ایک خط میں انتہائی شدت اختیار کر جاتے ہیں اور داغ کی زبان میں سختی اور درشتی واضح دیکھی جا سکتی ہے:

''تم یقیناً یزید کی معشوق بنتیں۔ میرے جسم میں خون ہانڈی کی طرح پک رہا ہے۔ تمھیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب شِکرے مل کر نوچا کھسوٹا کریں۔ آخر یہ کیا سر میں سمائی ہے۔ کون جانے اس کا کیا انجام ہو۔ یہی لیل و نہار ہیں تو داغ کا سلام قبول ہو۔ دل پر جبر کی سِل رکھوں گا مگر تمھارا نام نہ لوں گا آخر بے حیائی کی کوئی حد بھی ہوتی ہے۔''۲۹

پروفیسر عتیق احمد صدیقی، داغ کے خطوط میں اس صاف گوئی اور بے باکی کو موضوعِ بحث بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اُنھوں نے ان خطوط کے ذریعے اپنی کمزوریوں پر کوئی پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ مصنوعی نقاب اوڑھے، نہ اپنی ذات کے گرد کوئی ہالہ بنایا۔ نہ ذاتی کوائف کو آفاقی رشتوں میں منسلک کیا بلکہ صرف حسبِ ضرورت خط

لکھے جن میں یا تو معاملات کا مختصر اور صاف بیان ہے یا دل پر گزرنے والی واردات کا ذکر۔''۳۰

داغ کے وہ خطوط جن میں اُنھوں نے منی بائی حجاب کے ساتھ غم و غصے کا اظہار کیا ہے وہاں مکتوب نگار کے طور پر محض ''داغ دہلوی'' یا ''بدنصیب داغ'' لکھا ہے۔ دراصل اُنھوں نے اپنے خطوط میں کسی جذبے کو خفیہ رکھنے کی بجائے کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد علی زیدی، مکاتیب داغ کا ان الفاظ میں محاکمہ کرتے ہیں:

درج بالا مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ خطوط چوں کہ کسی بھی شخصیت کی نجی اور ذاتی تحریر ہوتے ہیں، لہٰذا ان خطوط کو بروئے کار لائے بغیر کسی بھی شخصیت کی سوانح اور شخصیت کا بے لاگ تجزیہ ممکن نہیں۔ داغ کے یہ خطوط محض پر تکلف نوابوں، امراء، دوستوں اور شاگردوں کے نام نہیں بلکہ خالصتاً ذاتی نوعیت کے بھی ہیں۔ ان خطوط سے، داغ بہ حیثیتِ اُستاد، دوست اور شخص واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ طوائفوں کے نام لکھے گئے خطوط میں اُن کی شخصیت کا شوخ، جذباتی اور بے باک پہلو سامنے آتا ہے۔ ان خطوط میں نہ صرف داغ کی سوانح اور تصانیف سے متعلق معلومات ملتی ہیں بلکہ اُن کی شخصیت کا اظہار بھی ملتا ہے جس کے بغیر داغ کی بے لاگ تفہیم ناممکن ہے۔

حواشی:

۱۔ داغ کے خطوط کا پہلا مجموعہ ''انشائے داغ'' کے نام سے انجمن ترقی اُردو ہند سے ۱۹۴۱ء میں، ان کے شاگرد احسن مارہروی نے مرتب کیا جو کل پینسٹھ (۶۵) خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ تین فصلوں میں منقسم ہے۔ پہلی فصل میں والیانِ ریاست، حکام، عمال اور امرا کے نام؛ فصل دوم میں اعزہ، خاص احبا اور عام شناساء و تلامذہ کے نام اور فصل سوم میں بسلسلہ شاعری شاگردوں کے نام خطوط شامل ہیں۔ داغ کے خطوط کا دوسرا مجموعہ 'زبانِ داغ' ہے جسے احسن مارہروی کے بیٹے سید رفیق مارہروی نے ۱۹۵۶ء میں مرتب کیا اور نسیم بک ڈپو لکھنؤ سے شائع کیا۔ دوسو اکانوے (۲۹۱) صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں کل دوسو اڑتیس (۲۳۸) خطوط شامل ہیں۔ اس مجموعے میں ماقبل شائع ہونے والے مجموعے ''انشائے داغ'' میں شامل خطوط بھی شامل ہیں۔

ان مجموعوں کی اشاعت کے بعد بھی چند خطوط رسائل میں شائع ہوئے جو ان کے ماقبل شائع ہونے والے مجموعوں میں شامل نہیں۔ ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

i۔ ''نقوش'' کے ''مکاتیب نمبر''، شمارہ ۶۵/ ۶۵، نومبر ۱۹۵۷ء میں، ص ۳۱۵ تا ۳۱۶ پر چار (۴) خطوط شائع ہوئے۔ یہ چاروں خطوط داغ نے نواب نامدار کے نام لکھے تھے۔

ii۔ نقوش کے ''خطوط نمبر''، شمارہ: ۱۰۹، اپریل/ مئی ۱۹۶۸ء میں، ص ۱۳۰ تا ۱۳۱ پر داغ کے چار خطوط شائع ہوئے جن میں دو خطوط بنام نواب حسن علی خاں امیر جاگیر دار کے نام اور دو خطوط لقمان الدولہ دل کے نام ہیں۔

۲۔ رشید حسن خان، مکاتیب داغ مشمولہ داغ دہلوی، مرتب: شاہد ماہلی، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۱ء، ص ۱۰۔

۳۔ مرزا داغ دہلوی، زبانِ داغ، مرتبہ: سید رفیق مارہروی، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۷۶۔

۴۔ ایضاً، ص ۲۶۹۔

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۵۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۴۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۵۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۷۳۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۰۰۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۴۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۲۶۔

۱۳۔ ڈاکٹر داؤد رہبر، مشاعرے کا فاتح: نواب مرزا داغ، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۲۲۔

۱۴۔ مرزا داغ دہلوی، زبانِ داغ، مرتبہ: سید رفیق مارہروی، ص: ۲۶۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۱۸۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷۹۔

۱۸۔ مرزا داغ دہلوی، انشائے داغ، مرتبہ: علی احسن مارہروی، دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۴۱ء، ص: ۸۳۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۲۱۔

۲۰۔ مرزا داغ دہلوی، زبانِ داغ، مرتبہ: سید رفیق مارہروی، ص ۲۶۷۔۲۶۶۔

۲۱۔ سید رفیق مارہروی، مرتب: زبانِ داغ، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۴۷۔

۲۲۔ مرزا داغ دہلوی، زبانِ داغ، ص ۱۴۷۔

۲۳۔ ایضاً، ص: ۱۴۸۔

۲۴۔ ایضاً، ص: ۱۱۲۔

۲۵۔ سید رفیق مارہروی، مرتب: زبان داغ، ص: ۱۹۴۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۸۱۔

۲۷۔ مرزا داغ دہلوی، زبانِ داغ، ص: ۱۸۴۔

۲۸۔ ایضاً، ص: ۱۸۳۔

۲۹۔ ایضاً، ص: ۱۸۵۔

۳۰۔ عتیق احمد صدیقی، مکاتیبِ داغ، مشمولہ داغ دہلوی: حیات اور کارنامے، مرتب: ڈاکٹر کامل قریشی، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۹۷ء (اشاعتِ دوم)، ص: ۱۵۵۔

۳۱۔ ڈاکٹر سید محمد علی زیدی، مطالعۂ داغ، لکھنؤ: کتاب نگر، ۱۹۷۴ء، ص: ۲۹۲، ۲۹۳۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:


۱۔ اقبال، جاوید، سید، ڈاکٹر (مرتب): ۲۰۱۵ء، ''خط نگاری: مباحث، روایت اور اہمیت''، قصر الادب، حیدر آباد۔

۲۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۲۰۱۲ء، ''تاریخ ادب اردو''، (جلد چہارم) مجلس ترقی ادب لاہور۔

۳۔ رہبر، داؤد، ڈاکٹر: ۱۹۹۹ء، ''مشاعرے کا فاتح: نواب مرزا داغ''، انجمن ترقی اردو کراچی۔

۴۔ زیدی، محمد علی، سید، ڈاکٹر: ۱۹۷۴ء، ''مطالعہ داغ''، کتاب نگر لکھنؤ۔

۵۔ قریشی، کامل، ڈاکٹر: ۱۹۹۷ء، ''داغ دہلوی: حیات اور کارنامے''، اشاعت دوم، اردو اکادمی دہلی۔

۶۔ مارہروی، رفیق، سید، (مرتب): ۱۹۵۶ء، ''زبان داغ''، نسیم بک ڈپو لکھنؤ۔

۷۔ مارہروی احسن: ۱۹۴۱ء، (مرتب) ''انشائے داغ''، انجمن ترقی اردو دہلی۔

۸۔ ماہلی، شاہد، (مرتب): ۲۰۰۱ء، ''داغ دہلوی''، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی۔

۹۔ محمود الرحمٰن، ڈاکٹر: ۱۹۹۶ء، ''داغ دہلوی''، (کتابیات)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔


رسائل


۱۔ ''نقوش''، نومبر ۱۹۵۷ء، مکاتیب نمبر، شمارہ ۶۵، ۶۶، لاہور۔

۲۔ ''نقوش''، اپریل، مئی ۱۹۶۸ء، خطوط نمبر، شمارہ: ۱۰۹، لاہور۔